نوٹ: کندن پاک سوسائٹی کے لیے لکھی گئی خصوصی تحریر ہے۔

آخری حصہ

" قاسم خان اس کے پسندیدہ بندوں میں سے ہے وہ ہی یہ سڑکیں بنواتا ہے اس کی قابلیت کی وجہ سے بادشاہ نے اسے کابل کا گورنر بنایا ہے۔"

وہ باتیں کرتے کرتے اصطبل تک پہنچ گئے تھے مگر انہیں دو دن بعد آنے کا کہا گیا۔ابھی متصدی اور اس کام کے لیے خاص مقرر شدہ ہرکارے نے گھوڑوں کی قیمت طے نہیں کی تھی۔

دونوں نے شاہی اصطبل میں داخلے کی درخواست کی تھی ان کی توقع کے خلاف انہیں اجازت دے دی گئی ۔

اندر اصطبل کی دائیں طرف گھوڑوں کے بیوپاریوں کے لیے خاص سرائے تھے جس میں رہ کر وہ اپنے گھوڑوں کی نگہداشت کرتے تھے۔درمیان میں وسیع میدان اور بائیں طرف گھوڑوں کے لیے کمرے اور ان سے ملحقہ مختصر میدان تھے۔سیاہ سفید، بھورے، سرخ رنگ گھوڑے، ان کی چمکتی آنکھیں اور پشت کے بال جو جسم کی رنگت کے مطابق تھے ، لوگوں کی چہل پہل ، چارے کی مہک۔۔۔عجب سنہرا شاندار منظر تھا۔داروغہ، مشرف (اکاونٹینٹ)، طبیب، نقیب(ٹریننگ دینے والا) خاکروب، خوراک اور صحت کا خیال رکھنے کے لیے جتنے بھی ہرکارے تھے سبھی اپنے اپنے کاموں میں جتے تھے۔گھوڑوں کو ان کی نسل اور قیمت کے مطابق خاصہ (اعلٰی نسل) اور بد خاصہ میں تقسیم کیا جاتا تھا۔خاصہ کے چھ حصے تھے جس میں سے ہر ایک میں چالیس کی تعداد میں گھوڑے تھے۔عربی، ازبک

اور فارسی گھوڑے خاصہ میں تھے ان کی قیمت ستر مہر سے اوپر تھی۔ دہ مہری (دس مہر) اور ہفتاد مہری (ستر مہر) کے درمیان بدخاصہ تھے۔ بدخاصہ کے تین حصے تھے۔ جس میں تیس، بیس اور دس کی تعداد میں گھوڑے تھے۔

اصطبل سے انہوں نے بندرگاہ کی راہ لی ۔ ٹاپٹی کے سرمئی پانیوں میں کتنی ہی کشتیاں اس وقت کھڑی تھیں جن سے سامان اتارا جا رہا تھا۔ لوگوں کی آوازوں کی بھنبھناہٹ، پانی کی مہک، آبنوسی سویر میں آسمان پر اڑتے پرندوں کے غول منظر کو زندگی بخشتے تھے۔ ان کے قدم دریا کنارے بنی چار عمارتوں کی طرف بڑھتے تھے۔ محل فرضہ کے علاوہ وہاں تین اور عمارتیں تھیں جو دریا کے قریب ساتھ ساتھ واقع تھیں۔ محل خشکی جس کا تعلق برّی تجارت سے تھا، محل لنگر جہازات جس کا تعلق بندرگاہ کے انتظامی امور، جہازوں کی لنگر اندازی اور اس کی اجرت سے تھا اور آخری محل مرمت جہازات جہاں جہازوں کی تعمیر اور مرمت کا کام ہو رہا تھا۔ وہاں ہر طرف جس کی دھوم تھی، ہر معاملے میں جس کو پکارا جا رہا تھا وہ متصدی تھا۔ اس وقت وہ قلعہ دار جس کے ذمہ بندرگاہ کی حفاظت تھی قاضی، کوتوال اور داروغہ کے ساتھ مصروف تھا بلند آواز میں ان کو ہدایات دے رہا تھا۔ وہ اس کے پاس سے گزرتے آگے بڑھے تھے۔ متصدی کے عہدے کے لیے بہت ہنرمندی درکار ہوا کرتی تھی اور ذمے داری بھی بڑی تھی۔ گھوڑوں کی نسل ، قیمتی پتھر، موتی زیورات اور دوسری قیمتی چیزوں کی جانچ بھی کرتے تھے اور رتبہ اتنا کہ پورے شہر میں ان کی اجازت کے بغیر کچھ بیچا نہیں جا سکتا تھا۔ پہلے باہر سے آنے والوں اور تاجروں کو ان سے ملنا پڑتا۔ بادشاہ کے احکامات کے مطابق ریاست کی ضرورت کی چیزیں، گھوڑے، مکئی، غلہ، زیورات خریدنے کا کام بھی یہی کرتے۔ مغلیہ حلومت کی طرف سے بین الاقوامی تجارت کا کام بھی تنہا سنبھالتے۔

قلعہ دار کا کام متصدی پر انحصار نہیں کرتا تھا اس کا کام بندرگاہ اور شہر کی حفاظت کرنا

تھا۔ مشرف، تحویل دار، داروغہِ خزانہ اور مقیم محصول وصول کرنے اور حفاظت سے رکھنے پر معمور تھے وہ ساری جمع خرچ فارسی اور مقامی زبان میں درج کر کے محفوظ کرتے۔ یہ براہ راست شاہی دربار کے نمائندے تھے اور متصدی کے ماتحت کام کرتے تھے۔

قاضی، تھانیدار، کوتوال، داروغہ قانون اور امن کی صورتحال کو قائم رکھتے۔ قاضی جھگڑے نپٹاتا، تھانیدار فوجی دستے کو چاق و چوبند رکھتا اور باہری حملوں سے حفاظت کے لیے معمور تھا۔ وہ چوکسی سے بندرگاہ میں ہونے والی حرکات پر نظر رکھتا اور ساحلی علاقوں میں گشت کرتا۔ کوتوال شہر کے دروازوں پر محافظ تھا جو محصول اور دوسری کاروائی کے بغیر دروازے کے اس پار نہ جانے دیتا۔ داروغہ کا کام شہر میں ہوتی بے قاعدگیوں کو روکنا تھا اور مغل بادشاہوں کے لیے بحری گھوڑے خریدنا تھا۔ اس کے علاوہ ایک عہدہ امین کا تھا جو خرچ کے معاملات سنبھالتا۔ وہاں انہیں وہ پیادے بھی نظر آئے جو چوکیدار، قلی، گاڑی بان اور، چپڑاسی کا کام کرتے تھے انہیں عام لوگ اور تاجر کرائے پر حاصل کرتے تھے۔

اور چند کمرے اخبار نویسوں کے لیے مختص تھے جہاں کاغذوں اور روشنائی کی مہک تھی۔ قہووں کی آدھی پیالیاں اور کاغذوں پر چلتے قلموں کی آوازیں تھیں۔ یہیں پر تجارتی اشیا، ان کی قیمت، ان پر وصول کی گیا محصول سب کا اندراج ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ یہ کمرے واقعہ نویس، سوانح نویس، خفیہ نویس اور ہرکاروں کے زیر استعمال تھے جنہیں اخبار نویس کہا جاتا تھا۔ سب شاہی دربار کی طرف سے مقرر کیے گئے تھے تاکہ بندرگاہ کی خبر شاہی دربار تک پہنچتی رہے۔ یہ متصدی کے ماتحت نہیں تھے مگر کوئی بھی خبر وہاں بھیجنے سے پہلے انہیں یہ متصدی کو دکھانا ہوتی تھی۔ یعنی پوری بندرگاہ کا ناخدا متصدی ہی تھا۔

سارا علاقہ گھوم کر دونوں کچھ دیر ستانے کو بیٹھے تھے۔

"اب میں ریشم خریدنے جاؤں گا"۔ ابوالفضل نے اس سے اجازت چاہی تھی۔

اسے اس رفیق کی ہمراہی اچھی لگی تھی مگر اب الگ ہونے کا وقت قریب تھا ابوالفضل کو اگلے دن واپس اپنے ملک کی طرف سفر کرنا تھا۔ اسے وہاں سے الوداع کہنے کے بعد وہ کچھ دیر وہیں بیٹھا آتے جاتے لوگوں کو دیکھتا سنتا رہا۔ اس وقت کوتوال اپنے ہرکاروں سمیت شہر کی گشت پر تھا ہاتھوں میں تلواریں تھامے سب گھوڑوں کی پشت پر سوار تھے۔

بازار میں کچھ تو زمین پر ہی دکان سجائے بیٹھے تھے اور کچھ باقاعدہ تعمیر شدہ دکانوں میں۔ یہ دکانیں قطار میں تھیں، سرخ پتھر کی بڑی بڑی سِلوں کے پیچھے دکاندار براجمان تھے۔

وہ اٹھا اور بتائے گئے پتے کی طرف چل پڑا۔ چندرناتھ کے بارے میں معلومات اسے کوتوال نے دی تھی۔ اس نے اس مخصوص دکان پر جا کر اس ہندو بنیے سے نام کی تصدیق کی۔ سفید قمیض دھوتی میں ملبوس، کانوں میں سونے کے بالے پہنے سرخ پگڑی، سرخ رنگ کمربند، گھٹا ہوا قد، گول چہرہ ۔۔۔ اس نے سر ہلایا کہ وہ ہی ہے۔

سعد نے اس سے آنے کا مدعا بیان کیا۔ وہ غلّے کا کاروبار کرتا تھا اس کے علاوہ قرضے بھی دیتا تھا۔ اس نے اس کے سامنے پڑے لکڑی کے چوکھٹے پر قمیض سے سلی پوٹلی سے چند موتی نکال کر بکھیرے۔ وہ جو تقریباً اونگھتا سا محسوس ہو رہا تھا اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔

"کتنے ہیں۔" وہ ہاتھ میں ایک ایک کر کے پکڑتے ہوئے بولا۔

"تین ٹوکریاں۔" کچھ دیر بھاؤ تاؤ ہوتا رہا اس کی عربی تسلی بخش تھی۔ جب قیمت طے ہو گئی تو اس کی آخری بات سعد کے سر لگی تلووں بجھی تھی وہ ابھی فوراً قیمت ادا نہیں کر سکتا تھا اس کے لیے اسے کچھ ہفتے درکار تھے۔

وہ اصرار کر رہا تھا کہ سب موتی اسے ہی بیچ جائیں۔ اس نے اسے اپنے کمرے کی بیٹھک آدھی

قیمت پر اور ایک وقت کا کھانا مہیا کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔سعد الکندری کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے ہامی بھر لی تھی۔ اس وقت وہ نہیں جانتا تھا یہ وہی گھر ہے جہاں سے پچھلی رات آتی موسیقی کی آواز اس کے دل کے آرپار ہوتی تھی۔

اس نے سرائے جا کر خالد افسے کو اطلاع دی تھی اس کی کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔

سامان چند ناتھ کے گھر کی بیٹھک میں پہنچانے کے بعد وہ ساری شام سعد الکندری نے دریا تاپٹی کے پانیوں میں گزاری تھی۔ڈوبتے سورج کی روشنی میں دریا کے میٹھے پانی اس کی روح کو سیراب کرتے تھے مگر اس کھاری پانی کی یاد اور عشق اس کی جگہ کوئی کیا لے سکتا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کانسی کی گڑیا تھی یا اسے لگی تھی۔ نظر اٹھی تھی اور پھر وہیں ٹھہر گئی۔وہ جو ان کے گھر کے دروازے پر آیا تھا چندر ناتھ کو بلانے دروازہ کھلا ہونے کے باعث یکدم رکا تھا۔اس کا چہرہ قریب رکھے چراغوں کی روشنی میں دہک رہا تھا، بال اتنے لمبے تھے کہ بیٹھے ہونے کے باعث زمین پر پھیلے تھے۔ہلکے سبز اور کیسری رنگ کی ریشم کی ساڑھی میں آنکھیں بند کیے وہ جیسے صدیوں سے دھونی رمائے ہوئے تھی اور انگلیاں وینا کی تاروں پر رواں تھیں۔وہ کسی موکش میں تھی، ارد گرد ہرن قلانچیں بھرتے تھے اور درخت چھایا کرتے تھے اور وہ راگ سارنگ بکھیرتی تھی۔ یہ کیسی موسیقی اسے لگا اس کی روح کو کسی ان دیکھے ہاتھ نے چھوا ہو۔منورما کو اس پل کسی کی نگاہوں کی تپش کا احساس ہوا تھا یکدم آنکھیں کھولیں تھیں وہ ساکت ہوا تھا۔

یہ کیسا حسن تھا جو اس نے آج سے پہلے کسی جگہ کہیں محسوس نہیں کیا تھا، آسمان، ستارے، چاند، چراغ، پھول کسی میں بھی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مجھے یہ زمین بہت بھائی ہے۔" رات کو چراغ کی روشنی میں کھانا کھاتے وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔لہجہ اتنا دوستانہ تھا کہ ایک پل کے لیے سعد کو حیرانی ہوئی۔

"ہاں سو تو ہے۔یہاں رک جانے کو دل چاہتا ہے۔"

اس کے جملے سے خالد کا بھینچا ہوا چہرہ ایسے کھل اٹھا تھا کہ وہ گڑبڑا گیا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔۔۔یہی سوچ رہا ہوں۔"

وہ کھسک کر منہ میں نوالہ ڈالتے اس کے قریب آیا۔

"تم چاہو تو یہ ہو سکتا ہے۔ہم یہیں رہ جاتے ہیں۔"

سعد اس کی بات کا مطلب سمجھ رہا تھا مگر اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ اس کے باریک وجود سے کھسک کر پیچھے ہٹا۔ماتھے پر بل پڑ گئے تھے جسے اس نے محسوس کر لیا تھا۔

"کیا مطلب۔"

"ہاہ مذاق کر رہا تھا میں۔صرف مذاق۔۔۔کیوں امین۔۔۔" اس نے ایک خادم کی طرف دیکھتے ہوئے تائید چاہی۔جو نا سمجھی میں زبردستی ہنسنے لگا تھا۔آخر مالک نے مذاق کیا تھا۔سعد اٹھا اور باہر نکل گیا۔

اگلے دن ابوافضل کو الوداع کہنے کے بعد وہ اصطبل گیا تھا جہاں اس کے ستائیس گھوڑوں کو منتخب کر لیا گیا تھا۔باقی گھوڑے اس کے حوالے تھے کہ اب جو چاہے کرے۔وہاں مقرر منتظم کی موجودگی میں شاہی ہرکارے نے مقرر قیمت اس کے حوالے کی۔قمیض سے بندھی بھاری پوٹلی لیے وہ چلتا تھا۔اتنے سِکّوں کا بار اس نے زندگی میں کبھی نہیں اٹھایا تھا اس بار امانت کو اٹھائے وہ سورت کی زمین پر چلتا تھا۔معمولی گھروں سے لیکر شاندر عمارتیں شہر میں دونوں موجود تھیں۔سورت میں فرانسیسی اور وِلندی جو کہ تجارت کی غرض سے یہاں آباد تھے قمیض پتلون میں چلتے پھرتے نظر

آتے تھے ۔۔۔وہ بلا وجہ انہیں گھورنے لگتا۔وہ حیران ہو کر اس جادوئی سرزمین میں اگے شجر، بکھرے رنگ، بھانت بھانت کے لوگ ان سب کو دیکھتا وہ جہاں سے آیا تھا اس کے سامنے یہ جگہ جنت تھی۔

چلتے چلتے نگاہوں میں ایک مندر ابھرا جس کی باہری دیوار پر دیوی دیوتاؤں کے نقوش کھدے تھے جن کے کئی کئی ہاتھ پیر تھے، ہاتھوں میں دیے، ترشول اور جانے کیا کیا تھا جن کی اسے پہچان بھی نہ تھی وہ انہیں کھڑا تکتا رہا۔ وہاں مندر کی ابھی ابھی دھوئی گئی سیڑھیوں پر ایک عورت سفید ساڑھی میں بیٹھی کسی کے انتظار میں تھی، کیسری لبادے میں پنڈت ماتھے پر لمبا تلک لگائے ہاتھ میں چراغوں سے بھری آرتی کی پلیٹ تھامے مندر کے باہر نسب کرشن کی مورتی کے آگے گھماتا پوجا کر رہا تھا وہ آگے بڑھ آیا۔ مندر سے کچھ قدم دور ایک آدمی سر پر بالوں کا جوڑا بنائے، گلے اور بازوؤں میں منکے ڈالے چوکڑی مارے بیٹھا تھا اس کے وجود سے تین سانپ لپٹے تھے۔ وہ اس کے جسم پر ہولے ہولے رینگتے تھے اور وہ ان کے لمس سے بے نیاز کیفیت آور منتر پڑھتا تھا جسے کھڑے ہو کر وہ کچھ دیر سنتا رہا۔

کافی دیر شہر، بازار میں گشت کرنے، دوکانوں اور لوگوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہ پلٹا۔

"اب آگے کیا کرنا ہے۔" وہ لوٹا تو خالد اس سے پوچھ رہا تھا۔ خالد کا سامان تقریباً بک چکا تھا۔

"یہاں جانوروں کا میلہ لگے گا۔" اس نے روزن سے اسے باہر نکلتے دیکھا۔

"اسی میں جائیں گے۔"

"کب ہے۔"

"اگلے ماہ۔۔۔تب تک موتیوں کا کام بھی ہو جائے گا۔" پتا نہیں خالد نے اس کی بات سنی تھی یا نہیں اسے لگا وہ کچھ سوچ رہا ہے۔ اس کی نظروں میں جو ایک موہوم سی آتشی لو تھی وہ اس کو کسی

سانحے کی خبر دیتی تھی۔۔۔

تھوڑی دیر بعد وہ کنویں سے پانی بھرنے نکلا تھا کہ منورما پر پھر نظر پڑی۔وہ بھاری بھرکم وینا اٹھائے چلی آرہی تھی۔اس نے بالٹی کنویں پر چھوڑی تیزی سے قدم اٹھاتا آگے آیا اس کے ہاتھ سے وینا لے لی۔وہ حیران ہوئی تھی مگر کچھ کہا نہیں۔

"اس سے خوشبو آتی ہے۔"

"ہاں یہ خوشبودار لکڑی سے ہی بنتا ہے۔"

"میں نے اس سے پہلے اتنے خوب صورت راگ نہیں سنے۔ہمارے ہاں بھی فجیری، سنجبین اور یامال کا کوئی جوڑ نہیں مگر یہ راگ۔۔۔یہ انوکھے ہیں۔"

میں تو سمجھی تھی آپ بھی اس قبیلے سے ہوں گے جو ایک کھشتری کے شاہی عہدے پر فائز ہو جانے پر احتجاج کرتے ہوں گے یا سونے چاندی کے سِکّوں پر رام سیتا کی مہر پر اعتراض ہو گا۔"وہ کچھ بولا نہیں تھا۔اب اس بات کا کیا جواب دیتا۔

"کون ہے وہ خوش نصیب۔۔۔"

"تودار مال جس کی جے جے کار ہر جگہ ہوری ہے۔بادشاہ اکبر نے اسے عہدہ دیکر صرف ہند نہیں ایران، توران، ازبک میں اور رشیا ،وسط ایشیا میں تجارت کی غرض سے پھیلے ہر ہندو کا دل جیت لیا ۔"

"اعتماد اور وفاداری بھی۔"سعد نے لقمہ دیا۔

"شاید آپ کو ہمارا گھر میں ٹھہرنا پسند نہیں آیا۔"وہ رک گئی تھی اور نخوت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور یہی گھڑی تھی جب منورما کا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ان سمندر آنکھوں میں کیا تھا۔۔۔ٹوٹتی بنتی لہریں،ڈبکیاں لگاتے پرندے اور پورن ماشی کا چاند۔۔۔

"یہ دے دیجیے۔"اس نے وینا کی طرف اشارا کیا تھا۔

"رستہ تھوڑا ہے۔"اس نے نہیں دیا تھا۔وہ وینا پر کھدے کنول کے پھول جیسی لگی تھی اس پل۔

"مجھے اس کا وزن محسوس نہیں ہوتا۔سات سال کی تھی جب سے اٹھا بھی رہی ہوں۔"

"یعنی اتنی پرانی بات نہیں ہے۔"

وہ جھٹکے سے رکی اور یکدم اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

"میری شادی ہوئی تھی چار سال پہلے اور میرا شوہر مغل فوج کے ہاتھوں مارا گیا چھ دن بعد۔"

وہ کچھ بولا نہیں تھا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

"تو کتنی پرانی ہوں میں اب؟"

"اتنی پرانی نہیں ہیں۔"وہ بھاری دل سے مسکرایا تھا۔

"میری دادی کہا کرتی تھی دو تین ہزار سال پہلے مندروں میں جو وینا بجایا جاتا تھا وہ ہمارے ہی پورکھ تھے۔"وہ اپنی جون میں واپس آتے ہوئے بولی تھی وہ دھیمے سے مسکایا تھا۔

"یہ وہ جگہ ہے جہاں ہزاروں سال سے زمین اور پانیوں کا اور ان میں سفر کرتے لوگوں کا، ان کی زبانوں کا اور ثقافت کا میل ہو رہا ہے۔کیا تمہیں خبر ہے کتنے سعد اس ساحل پر اترے ہوں گے۔؟"

اور کیا کوئی جانتا تھا کہ جب برطانیہ سے آئے چند لوگ سورت کے معاشی اور تجارتی حالات کے بارے میں خطوط لکھیں گے تاکہ یہاں تجارت کی بنیاد رکھی جاسکے تو اس میں کبھی کسی کے خط میں ایک بدو اور ایک کنیا جو وینا بجاتی تھی ان کے ذکر کی خوشبو ہوگی۔

اور البرٹ چراغ کی روشنی میں اپنے حکام کو ایک خط لکھتا تھا۔سوریا پور۔۔۔سورت یہ ایک

بڑا عظیم شہر ہے۔۔۔اس وقت یہاں ہر قسم کی تجارت ہو رہی ہے۔اس عظیم بندر گاہ سے شاہی خزانے میں خطیر اضافہ ہوتا ہے۔یہ زمین جو دریا ٹاپٹی کے پانیوں پر ہے جہاں لوگ ہیں، سونا، چاندی، قیمتی پتھر اور موتی، افیم اور ریشم۔جہاں کے تین دروازے کیمبے (کھمبھات)، برہان پور اور نَوساری کی طرف کھلتے ہیں۔اور وہاں سپاہی و تعینات ہیں جو اندر اور باہر جانے والوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔یہاں شاندار اور معمولی دونوں طرح کے گھر ہیں۔لوگ اپنی دولت چھپانے کے لیے زیادہ اچھے گھر نہیں بناتے ۔بحری تاجر دریا کے قریب گھر بناتے ہیں۔یہاں زبانوں کا میل ہے اور ثقافت کا اور زمین اور پانیوں کا۔ جنوری سے اپریل جب بحری جہاز آتے اور جاتے ہیں تو بہت رش ہو جاتا ہے۔ہندو اکثریت میں ہیں مجلس مال سے جڑے حساب ،معیشت اور جمع خرچ کا علم جس کے لیے ضروری ہے۔سونے چاندی کو جانچنے کا ہنر بھی ان کے پاس ہے۔ مسلمان انتظامی امور سر انجام دیتے ہیں اور فوج میں ہیں۔ پارسی تجارت میں ہیں اور ہنر مند ، ہیں۔۔۔مزدوری کرنے والے بھی ہیں۔یہ شہر اس سلطنت کی طاقت ہے بس اتنا سمجھ لیجیے کیپ آف گڈ سے چین تک ہر آدمی اور عورت ے گجرات کا کپڑا پہنا ہے۔ ہمیں یہاں تجارت شروع کر دینی چاہیے۔

اور وہ اپنے دوست کو لکھ رہا تھا۔۔۔ میں نے اکثر اسے دیکھا ہے وہ ایک بدو ہے جب کبھی وہ اس ہند کی اپسرا کا چھیڑا راگ سنتا ہے ساکت ہو جاتا ہے۔وہ راگ ایسا ہے کہ تم نے کبھی اس سے پہلے اس طرح کی صدا نہیں سنی ہو گی۔۔۔اس راگ میں جنگل کی مہک ہے اور صندل کی سرخ لو۔۔۔وہ دونوں اک دوجے سے عشق کرتے ہیں یہ بات پتا نہیں وہ جانتے ہیں یا نہیں۔وہ ان سب کے ذکر میں ایک بدو اور کنیا کا ذکر کیوں کرتا تھا کیونکہ وہ آتے جاتے انہیں دیکھتا اور سنتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اس روز شہر میں ناٹک کھیلا جا رہا تھا۔ لوگوں کی بڑی تعداد وہاں موجود تھی۔وہ ان

کرداروں کی گفتگو میں اتنا محو تھی کہ اس کی نگاہ بھی محسوس نہیں کرتی تھی۔ وہ زبان کی وجہ سے سمجھ نہیں سکتا تھا مگر لطف آرہا تھا اسے۔ اور دل جب طواف شروع کر دے تو اس کی دھڑکن کائنات کی دھڑکن کے ساتھ مدغم ہو جاتی ہے۔

وہ روز و شب ایک ناظر تھا، ایک عابد تھا، مشرک تھا، ساجد تھا۔۔۔ وہ تھا اور نہیں تھا۔

وہ تلسی کے پودے کے گرد چکر لگاتی کیا پڑھتی تھی، شاہ بلوط کے درخت کے قریب اس تالاب میں دیے جلاتی جس سے کنول کے پھول دہکنے لگتے، صدیوں پرانے آیوویدک نسخوں سے دوایاں بناتے، زرد کاغذوں پر کچھ لکھتے، عجب سے رنگ کے سبزی کے سالن بناتے جن سے گرم مصالحوں کی تیز خوشبو اٹھتی اس کو سیر نہ ہونے دیتی۔ صبح سوریا کے طلوع ہونے سے پہلے ریاض کرتے شام وینا پر راگ چھیڑتے۔۔۔ وہ سوچتے سوچتے مدھم شور کی آواز سے ہوش میں آیا تھا۔

ناٹک کے بعد رقص شروع ہو چکا تھا۔ آخر میں منورما سٹیج پر جا بیٹھی۔ اس نے ستار پر راگ شروع کیا۔ شروع کرنے سے پہلے وہ اس راگ کے بارے میں سب کو بتا رہی تھی۔ دن کے تیسرے پہر کا راگ۔۔۔ اس کی تان

نی ۔۔۔سا۔۔۔رے۔۔۔ گا۔۔۔رے۔۔۔سا ۔۔۔ جیسے ڈار سے بچھڑی کونج کی آواز جسے ڈار میں واپس جا ملنے کی کوئی امید نہ ہو۔ اس نے یہی بات عربی میں دہرائی تھی۔ وہ سامنے ہوتی تو بھی خواب کا حصہ لگتی تھی اس سے مخاطب ہوتی تب بھی۔

"میرے پاس آج بھینٹ میں دینے کے لیے کچھ ہونا چاہیے تھا۔" وہ واپسی پر ہاتھوں میں چراغ تھامے قطاروں میں چلتے تھے۔

" آپ تو سمندر سے گوہر چرا لاتے ہیں۔۔۔ جب سمندر جایئے ایک موتی ڈھونڈیے گا جو گلاب رنگ ہو ۔" اس کا گھاگھرا کچی مٹی میں رلتا تھا اور سر پر ڈالے دوپٹے کی کرن ماتھا چھوتی تھی۔

"پتا جی کہاں رہ گئے ؟" اس نے مڑ کے دیکھا تھا۔

"آپ چلیں میں آتی ہوں ۔" وہ اسے کہتی واپس مڑ گئی تھی۔

وہ جب واپس پلٹی تھی تو وہاں بوڑھ کے درخت کے نیچے اسے چندرناتھ خالد کے ساتھ نظر آیا۔ وہ اسے بلانے آگے بڑھی تھی مگر ان کی اس ویرانے میں بکھرتی زہریلی سرگوشیوں نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔ اسے یقین نہیں آیا تھا۔۔۔ وہ یقین نہیں کرنا چاہتی کوئی بھی اپنے جنم دینے والے کا وحشی روپ نہیں دیکھ سکتا وہ بھی نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا غم اور خوف میں گھلتا وجود لیے پلٹتی خالد اور پھر اس کے اپنے باپ کی نظر اس پر پڑی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا وہ ایک خواب تھا جس میں وہ قتل ہوا تھا۔ کیا جب سمندر کے پانیوں میں آرا مچھلی یا شارک انسان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے تب بھی اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی کہ اپنے جیسے کسی انسان کے وار پر، اس کے دھوکے پر۔۔۔

بحری جہاز کیمبے سے خلیج فارس کی طرف بڑھ رہا تھا پچھلے سات دنوں سے وہ مسلسل جاگ رہا تھا۔

کسی وحشی سائے نے اس پر حملہ کیا تھا اور جس وقت یہ حملہ ہوا تھا منورما چیختی ہوئی جانے کہاں سے آن وارد ہوئی تھی۔

وہ اسے یاد آتی تھی۔۔۔ ہر وقت ہر پل۔۔۔ وہ اس کی جگہ زد میں آگئی تھی۔ خود آئی تھی یا وہ سب حادثہ تھا جو اچانک ہو گیا تھا۔ پل میں اسکا ساز جیسا وجود خون میں نہا گیا تھا۔ وہ رکنا چاہتا تھا اس کے چیختے دروغی باپ کی مدد کرنا چاہتا تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے خالد افسے کے ساتھ اس پر خنجر تانے کھڑا تھا مگر اسے فرار ہونا پڑا کیونکہ خالد افسے کے ہاتھوں میں ابھی بھی خنجر تھا وہ اس کی طرف پھر بڑھا

تھا۔پوٹلی اس کے لمبے داشے میں سلی تھی۔وہ اسے ساتھ ہی رکھتا تھا جس میں تجارت کے سامان کی تمام قیمت موجود تھی۔ پچھلے دنوں میلے میں باقی کے گھوڑے بھی فروخت ہو چکے تھے موتیوں کی قیمت بھی چند دن پہلے چندرناتھ اس کے حوالے کر چکا تھا۔

وہ تو آج خالد افسے سے واپس جانے کی بات کرنے والا تھا۔وہ جانا چاہتا تھا کیونکہ اسے ایک بار واپس آنا تھا وہ گلاب رنگ موتی لیکر۔

وہ اندھیرے میں اندھا دھند بھاگتا چلا جارہا تھا اچانک پاؤں کیچڑ پر آنے کے باعث پھسلا تھا اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔وہاں پانی کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی لہروں کی آواز بھی تھی۔وہ دریا کے کنارے کھڑا تھا مگر اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا وہ پانی کو صرف محسوس کر سکتا تھا دیکھ نہیں سکتا تھا۔ تھکن اور کرب سے بے حال اس نے وہیں کیچڑ پر بیٹھ کر رات بسر کی تھی۔

"کیا وہ مر گئی تھی۔" وہ لڑکھڑاتے ہوئے چلتا تھا۔۔وہ مر نہیں سکتی اس کے لیے تو اسے واپس آنا تھا۔اگلے دن صبح اپنا اکڑا ہوا کیچڑ زدہ وجود لیکر وہ اس کے گھر تک آیا تھا سارے رسک کے باوجود ۔اس کے گھر کے باہر بھیڑ تھی وہ اندر جانے کی ہمت نہیں کر سکا۔لوگوں کی گفتگو سے اسے اندازہ ہوا تھا کہ منورما کے بیان پر سپاہی سب کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔

"کیا وہ زندہ ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا نام نہیں لے سکا۔

"نہیں۔"

وہ کہیں پاتال میں تھا سمت کا تعین کر پانا مشکل ہو رہا تھا۔

بحیرہ عرب کی وسعتوں میں وہ بحری بیڑہ اس کی سوگواری کا گواہ تھا، اس کے پھڑپھڑاتے بادبان اور نمکین فضا۔اس نے سارا سفر آنکھوں میں کاٹا تھا ۔

شور کی آواز سے یکدم اس کی آنکھ کھلی تھی۔۔۔

شور نیچے سے آ رہا تھا۔ وہ آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔ سر پر گتر اڈال کر نیچے اترا۔ آگے کا فاصلہ اسے بھاگ کر طے کرنا پڑا تھا اس کا دوست نیچے گرا ہوا تھا باقی کے ملاح اسے مار رہے تھے۔ وہ بھاگ کر قریب آیا۔

"موتی چوری کیے ہیں اس نے۔" کسی نے کہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

یونیورسٹی میں لیکچرز اٹینڈ کرتے، کمبائن سٹڈی کرتے، سیمینارز بھگتاتے، کبھی میراتھن ریس کی تیاری کرتے، بسنت فیسٹیول کی مینیجمنٹ سنبھالتے، ان سڑکوں پر گزرتے جس میں ایک قدیم مٹی سے بنی مسجد تھی جس کا دروازہ کھجور کی شاخوں سے بنا تھا اور مسجد کبیر اور وہ مسجد جو ہمیشہ رنگ رنگ روشنیوں میں نہائی رہتی تھی، ایونیو اور سٹی سنٹر میں دوستوں کے ساتھ شاپنگ کرتے، سٹی کی فیری لینڈ جیسی زمین پر پھرتے، گروسری سٹورز کی وہ ایک مخصوص خوشبو اور ریسٹورینٹس میں لنچ اور ڈنر کرتے، صحرا میں کیمپنگ کرتے ستاروں کو دیکھتے وہ ہجر کا نمک چکھتے تھے جس کا ذائقہ ان کی باتوں میں تھا، دیکھنے میں تھا سماعتوں میں تھا۔ وہ اسے گھونٹ گھونٹ بھرتے تھے۔

"یہ جو وقت ہے یہ کیا ہے۔۔۔ یہ حنوط کیوں نہیں ہو جاتا۔۔۔ تم ٹھہر کیوں نہیں جاتیں۔"

"میں نہیں ٹھہر سکتی۔۔۔ ٹھہروں گی تو موت کی سیاہی پھیل جائے گی۔"

"مگر میں اس سے مقابلہ کر لوں گا۔"

"نہیں میں نہیں کرنے دوں گی۔"

یہ گفتگو کبھی لفظوں میں نہیں ہوئی تھی ان کے درمیان مگر یہ گفتگو ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دس بارہ بار غوطہ لگا چکا تھا اب پانی میں اپنے وجود کو ڈھیلا چھوڑ کر گہرے گہرے سانس لے رہا

تھا۔اس کا ساتھی اسے اوپر بلا رہا تھا کہ کافی مشقت ہو گئی ہے مگر وہ نہیں آ رہا تھا۔

"ابھی کچھ اور یہاں کافی تعداد میں صدف موجود ہیں۔" اس نے اسے کہا تھا اسے فیصل کا چہرہ نظر آیا جو پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا مگر اسے ہر حال میں کچھ زیادہ نکالنے تھے تا کہ اپنے دوست کی جان کی خلاصی کروا سکے۔اس نے ایک بار پھر غوطہ لگایا پانیوں میں منورما کا چہرہ ابھرا وہ اسے بازار میں چلتی نظر آئی۔۔۔پھر وہاں صحن میں چراغوں کی روشنی میں بیٹھے جب اس نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔پھر اسے بہت سی مچھلیاں تیرتی نظر آئیں،رنگ برنگی۔۔۔رنگ بہنے لگے اس کے اندر سے گزرنے لگے۔وہ اترتا جا رہا تھا سمندر کی گہرائی میں وہ رنگ سرخ ہو گئے دوست کی نمکین سسکیاں سمندر کے پانی کو مزید نمکین کرتی تھیں وہ اسے عرشے پر بندھا ہوا نظر آیا مار کھا کھا کر نڈھال تھا، زخموں سے چور۔بلا آخر وہ تہ تک پہنچ گیا اب وہ سمندر کے فرش میں ہاتھ مار رہا تھا اندھوں کی طرح مگر اگلے لمحے اسے ترتیب سے رکھے خول نظر آئے وہ کھلے ہوئے تھے۔ہر خول میں موتی تھا جس کی چمک سورج کی کرنوں کو ماند کرتی تھیں۔وہ ہیپنا ٹائز سا ہو کر آگے بڑھا اور ہر خول سے موتی اٹھا اٹھا کر اپنی ٹوکری میں ڈالنے لگا ۔۔۔ڈالتا چلا گیا۔یہ کیا ابھی تو وہ موتی جمع کر رہا تھا کہ اس کے ساتھی نے اسے اوپر کھینچنا شروع بھی کر دیا تھا وہ اسے روکنا چاہتا تھا مگر یہ ناممکن تھا۔

" اف وہ تو انجان ہے کیسا خزانہ میرے ہاتھ لگا ہے۔۔۔اب وہ وہ میرے دوست کو چھوڑ دیں گے۔" وہ سطح پر ابھر آیا اسے اوپر کھنچا جا رہا تھا وہ خود اوپر جانے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔سطح پر پہنچتے ہی اسے کسی نے جکڑا تھا اور عرشے پر لا کر چھوڑا۔اوپر پہنچ کر اس نے اپنی ٹوکری میں جمع موتی دکھانے کی کوشش کی مگر اس کے بازوؤں میں اتنی سکت نہیں تھی۔

وہ لیٹ کر زور زور سے سانس لے رہا تھا فیصل نے خالی ٹوکری اس کے گلے سے اتاری اور کونے میں پڑی ٹوکریوں میں پھینک دی۔باقی دو لوگوں نے مل کر اس کے بیمار وجود کو کھینچ کر سائے میں

کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی رات وہ حمود کے پاس آیا تھا ابھی تک اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے بندھے تھے۔

"اگر چوری ہی کرنا تھی تو موتی نگل جانا چاہیے تھا۔" قریب بیٹھے ایک ساتھی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔

سعد نے دوست کی طرف دیکھا جسے اس کی وجہ سے صبح شام گھونسے اور ٹھڈے پڑ رہے تھے۔

"یہ خیال آیا نہیں مجھے۔" حمود نے آنکھ مارنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا جو سوچ کر باہر نکلی ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی تھی اور مسکراہٹ ہونٹ پر آنے سے پہلے دم توڑ گئی۔ اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

" قرضہ واپس کرنا ہے مجھے یوشع کا۔۔۔ ورنہ۔۔۔" آواز میں نمی اتر آئی تھی۔

اس وقت زیادہ تر ملاح اور غوطہ خور سو چکے تھے۔ وہ عرشے پر ان سب کے درمیان تنگ جگہوں پر پاؤں پھنساتا۔ پھلانگتا آیا تھا۔ جگہ اتنی کم تھی کہ بعض لوگوں کو ٹانگیں موڑ کر سونا پڑتا تھا۔

"مجھے کپتان سے بات کرنا ہے۔" اس نے جا کر موتیوں کی رکھوالی پر بیٹھے ساتھی سے کہا تھا جو اس وقت دو چار مزید لوگوں کی موجودگی میں زرد، سرمئی، گلابی، سفید، سبز موتی علیحدہ کر کے گنتی کر رہا تھا۔ یہ وہ موتی تھے جو سورج کے طلوع ہونے سے رات گئے تک وہ لوگ تلاش کرتے تھے۔ پھر خول کاٹ کر ان کو اگلے دن طلوع آفتاب کی روشنیوں میں علیحدہ کرتے تھے۔

"کمال کرتے ہو سعد الکندری۔۔۔ پہلے پکڑوایا بھی خود ہے اور اب چھڑوانے کے لیے بھی تڑپ رہے ہو۔" کپتان کو اس کا حمود کی مدد کے لیے آنا عجیب بھی لگا تھا اور برا بھی۔

"اس نے جرم کیا ہے۔۔۔ اس لیے پکڑوایا ہے۔ وہ مجبور تھا اور اب شرمندہ بھی ہے وہ اس

سے زیادہ سزا کا حقدار نہیں اس لیے چھڑوانے آیا ہوں۔"

موتی علیحدہ کرتا وہ ساتھی کوئی گیت گاتا تھا جس میں قدیم یادیں تھیں، پرکھوں کی، گھر کی، تڑپ تھی، تکلیفوں سے نجات کی دعا تھی۔۔۔سعد کا دماغ بار بار دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بلا آخر اگلے تین دن کی دوہری مشقت اور معافی تلافی سے وہ دوست کے ہاتھ پاؤں کھلوانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔سزا یہ طے پائی تھی کہ موتی وہ سب کے برابر نکالے گا مگر معاوضہ آدھا ہو گا۔

"اوئے وہ اتنی دیر سے رسی ہلا رہا ہے۔"وہ جو عرشے پر لیٹا کچھ وقت آرام کے لیے آیا تھا یوشع کو رسی ہلنے کے باوجود ساکت کھڑا دیکھ کر بولا تھا۔اسے اس وقت ایک انہونا سا احساس ہوا تھا اسی وقت وہ بجلی کی تیزی سے اٹھا اسے دھکا دیکر حمود کو اوپر کھینچا تھا اس سے پہلے بھی دو تین واقعات ایسے رونما ہو چکے تھے جس میں دشمنی کی وجہ سے غوطہ خور کو اوپر نہیں کھینچا گیا تھا۔حمود اوپر آکر گہرے گہرے سانس لینے لگا جبکہ سعد نے یوشع کے منہ پر مکا جڑا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

پرندے نے جب سمندر سے اوپر اڑان بھری تو اس کے پنجوں میں مچھلی تھی۔

جبکہ وہ چہرہ اب جسم سمیت سمندر سے باہر نکل آیا تھا اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جو وہ اسے دینا چاہتا تھا وہ دور کھڑی دیکھ رہی تھی۔۔۔مگر وہ نہیں دے سکا تھا۔اس نے اس سے موتی مانگا تھا وہ اسے نہیں دے سکا تھا۔

عورتوں کے ہاتھ میں کھجور کی شاخیں تھیں جنہیں گاتے ہوئے وہ ساحل پر مارتی تھیں تاکہ ساری بری بلائیں ٹل جائیں اور ان کے گھر والے بخیر و عافیت ان سے آن ملے۔موتی کی تلاش میں گئے لوگ واپس پہنچے تھے اور اب چھوٹی کشتیوں پہ بیٹھ کر ساحل کی طرف آرہے تھے۔ہر

ایک کے گھر والے کھڑے تھے سعد کو پہلے یہ کمی کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی مگر اس دفعہ وہ عجیب ذہنی اور قلبی کرب میں مبتلا تھا۔ تصور میں اس نے اسے وہاں کھڑا کرنے کی کوشش کی تھی نہیں کر سکا۔ کشتی سے اتر کر اس نے تھکے تھکے انداز میں ساحل پر قدم جمائے

رات کو اسے کپتان کی طرف مزدوری وصول کرنے جانا تھا سو کھانا کھا کر شام ڈھلے تک سوتا رہا تھا۔

رات صحرا کی ہجر زدہ تاریکی میں وہ کپتان کے گھر پہنچا۔ اندر داخل ہوا تو حسب توقع مجمع لگا تھا۔ سب مزدوری وصول کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ موتی کپتان کی ملکیت میں پہنچ چکے تھے جنہیں بازاروں میں اب بکنا تھا۔ عام موتیوں کو ظروف میں رکھ کر اور قیمتی موتیوں کو سرخ کپڑے میں دکھا کر ان کی قصہ خوانی ہوتی تھی۔

سب کے چہرے چراغوں کی مدھم روشنی میں دمکتے تھے وہ بھی جا کر ان میں بیٹھ گیا۔

خالی پن حد سے سوا تھا۔

اس پل اس نے دیکھا چراغوں کی روشنی میں اس کا سایہ بن رہا تھا وہ کچھ لکھ رہی تھی۔ اس کی انگلیوں کی پوریں لکڑی کے قلم کو بار بار روشنائی میں ڈبو کر لکھنے سے رنگتی جا رہی تھیں۔۔۔ وہ مدھم مدھم کچھ گنگنا رہی تھی وہ زبان سمجھ نہیں سکتا تھا مگر

آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ ہوش آیا تو سب تقریباً اٹھ کر جا چکے تھے۔

" کیوں تمہیں ریزگاری نہیں چاہیے۔" کپتان پوچھ رہا تھا۔

"اسی لیے تو آیا ہوں۔"

"مجھے کچھ کہنا ہے۔" وہ محتاط ہو گیا۔

"تمہارا دوست۔"

"آئندہ یہ غلطی کبھی نہیں ہوگی۔۔۔ مجبوری میں اس کے قدم لڑکھڑائے ہیں ایک موقع دے دیں۔"

کپتان راضی نہیں ہوا تھا اس کی بات سے سو اس نے یہ بات کسی اور وقت پر ٹال دی تھی۔

"مجھے ایک اور بات بھی کرنی تھی۔"

"کہو۔"

"ریزگاری کے بجائے ایک موتی چاہیے گلابی رنگ کا۔" اس نے جواب میں قہقہہ لگایا تھا۔شرمندگی سرخ رنگ بن کر اس کے چہرے پر بکھری تھی۔باورچی خانے سے آتی قہوے کی خوشبو اسے کڑوی لگی تھی۔

"تمہارا حصہ موتی کی قیمت سے کہیں کم ہے۔"

"میں ادھار کر لوں تو۔ میں تب تک یہیں کام کروں گا جب تک قرضہ ادا نہیں ہو جاتا۔" وہ ملتجی لہجے میں بولا تھا مگر کپتان نہیں مانا تھا وہ مایوس قدموں سے لوٹ آیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہ ہمارے خاندان میں برسوں سے ایک یادگار کے طور پر موجود ہے اور اب یہ میری ملکیت ہے۔"اس نے اس کے سامنے ایک سحر زدہ کرتا بھورے سبز اور سرخ رنگوں کے امتزاج سے بنا خول کیا تھا، اسے کھولا اس کی آنکھیں خیرہ ہوئی تھیں۔ عجب خوش رنگ موتی تھا وہ مبہوت ہو گئی۔

"میں نے سنا ہے موتی جاندار ہوتے ہیں یہ محسوس کرتے ہیں۔" وہ دھیرے سے انگلی کی پور سے اسے چھوتے ہوئے بولی تھی۔

وہ مسکرایا تھا۔

"یہ تمہارے لیے۔"

"نہیں۔۔۔" اسے جھٹکا لگا تھا۔

"میں یہ نہیں لے سکتی۔"

"یہ بہت قیمتی ہے اور قدیم۔"

"تم بھی بہت قیمتی ہو اور قدیم اور ہمارا رشتہ بھی۔"

وہ نم آنکھوں سے کھڑکی سے نظر آتے سامنے والی بال گراؤنڈ کو دیکھنے لگی۔اس وقت وہ اس کے وسیع و عریض گھر میں تھی بمع ساری کلاس کے۔

"دادا نے مقابلہ رکھا تھا سب پوتوں اور نواسوں کے درمیان کہ کون سب سے زیادہ موتی نکالتا ہے۔ہم خیر ان پیچ پر تھے۔سب نے جی جان کی بازی لگا دی تھی اس موتی کے لیے لیکن یہ میرے حصے میں آیا۔"وہ کچھ پلوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

"مگر تمہارے گھر والے۔"اس نے وہ موتی اس کو واپس کرنا چاہا تھا۔۔وہ خول اس کے ہاتھوں میں بھیگتا تھا۔

"وہاں اُنس کے ساز بکھرتے تھے۔"اس نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"قدیم زمانوں میں یہ راگ تب چھیڑا جاتا تھا جب آدمی سمندری سفر سے گھروں کو لوٹتے تھے۔۔۔خوشی کا راگ۔۔۔ ہم ساری شام رقص کرتے رہے۔وہاں کچھ لوگ تلواروں کے ساتھ رقص کرتے تھے اور وہاں اس فیسٹیول میں آئی عورتوں نے بدوی رقص کیا تھا۔"

"اس میں کیا خاص ہے۔"اس کے ہاتھوں میں وہ خول تھامے لرزش اتر آئی تھی۔ وہ شدید تذبذب میں تھی لینا نہیں چاہتی تھی۔

"اس میں اگر وہ ہتھیلی کھول کر رقص کریں اس کا مطلب ہے وہ ساتھی کی متلاشی ہیں اور بند کرنے کا مطلب ہے۔"

"منہ دھو رکھو۔" وہ ہنسا تھا۔

"وہاں وہ قدیم موسیقار جن کی زنگ آلود سی ڈیز بابا کے پاس ابھی تک ہیں ان کے گیت چلتے تھے۔اس نے وہ سی ڈیز اور چار پانچ سو سال پرانا غزال کا سینگ بھی اسے دکھایا وہ بھی اس کے پرکھوں کی نشانی تھی۔"

"ان کے پاس اس سے کہیں قیمتی چیزیں موجود ہیں۔" اس نے سی ڈیز واپس الماری میں رکھتے ہوئے یونہی کہا تھا وہ سمجھ نہیں سکی یہ اس نے موتی کے حوالے سے کہا تھا یا ان قدیم یادوں کے حوالے سے۔

وہ جا رہی تھی کلاس فیلوز نے فیئر ویل رکھی تھی۔یہ فیئر ویل (الوداعی پارٹی) عمر نے اپنے گھر اسے دی تھی۔وہ اس کے فراق کو سیلیبریٹ کر رہا تھا۔

"وہاں میری سوتیلی بہن ہے۔۔۔مجھے نہیں پتا سوتیلے رشتوں سے کیسے ملا جاتا ہے۔۔۔مجھے نہیں پتا تھا تم سے میں روز کیسے ملتی تھی۔مگر میں تمہیں یاد رکھوں گی ہمیشہ۔۔۔تم میری یادوں میں رہو گے ان ستاروں کی طرح جنہیں مل کر ہم نے دیکھا تھا اور وہ بس انہیں پلوں کے لیے تھے صرف ہمارے لیے تھے۔کیا یہ بات اس نے اسے کہی تھی یا یہ بھی طے تھا اور دونوں کو پتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے دیکھا اس کے گلے میں وہ ایک گلابی موتی چاندی کی باریک تار میں چمکتا ہے وہ جب سے پروگرام شروع ہوا تھا ٹی وی کے سامنے بیٹھا تھا۔

سیاہ بیک گراونڈ میں سٹیج پر وہ ستار لیے بیٹھی تھی۔دائیں طرف وائلن ، مردھانگم، تان پورا اور شہنائی بجانے والے ساتھ بیٹھے تھے۔پہلے تان پورا کی آواز سب کو وجد میں لے آئی تھی، پھر مردھانگم اور وائلن اور پھر مردھانگم اور شہنائی اور ساتھ اس کے ہاتھ تاروں سے کھیلنے لگے۔یہ راگ جوگ تھا جو

اس نے خود تخلیق کیا تھا۔ موسیقی کی یہ کیسی رمز تھی جو اسے اس وقت سمجھ آ رہی تھی۔ آخر میں یہ سب ساز اکٹھے اور بیچ بیچ میں باری سے چل رہے تھے اور جو تخلیق ہو رہا تھا وہ کہیں آسمان کی بلندیوں تک روح کو لے جا رہا تھا۔

وسیع و عریض سمندر میں ڈوبتے سورج کی روشنی گھلتی تھی جس میں ایک کشتی محو سفر تھی۔ اس کشتی میں ایک سمندر آنکھوں والا غوطہ خور تھا۔۔۔ سب سے بہادر۔۔۔ سب سے نڈر۔ جس کی اس علاقے میں پہلا موتی ڈھونڈنے والے شخص سے شاید روح داری تھی اور پھر اس نے اس نارنجی پانیوں میں غوطہ لگایا تھا جس وقت اس کے ہاتھ اس خول کی جانب بڑھے تھے وہ نہیں جانتا تھا یہ دھرتی کے چند قیمتی موتیوں میں سے ایک موتی ہو گا۔ وہ جسے اسے بیچنا نہیں تھا کسی کے نام پر سنبھالنا تھا۔ یہ کشتی اس نے کتنے سالوں کی محنت سے خریدی تھی صرف ایک موتی اپنی مرضی کا حاصل کرنے کے لیے جو اسے پہلے غوطے میں ملا تھا وہ موتی آج اس اندرا کے گلے میں چمکتا تھا۔ جس کی آنکھیں اس سے اپنے ہی چھیڑے ساز پر نم تھیں۔ جو وجد میں لوگوں کی تالیوں کا شور سنتی تھی اور بہترین موسیقار کے ایوارڈ کی طرف ہاتھ بڑھاتی تھی۔

نرگس کے چند پھول اور چاندنی پھیلی ہوئی
اک آہٹ کی اداسی فضا میں ٹھہری ہوئی
کاغذوں پر بکھرے حروف
جوڑو تو بچھڑے لوگوں کی شکلیں ابھر آئیں
پڑھو تو ماضی میں گم آوازیں پھر سے لوٹ آئیں
قلم سیاہ روشنائی میں ڈوبا ہوا
قہوہ پیالی میں آدھا پڑا ہوا

تلخ اک خوشبو کمرے میں چکراتی ہوئی

اور شمع کی بجھتی لو پروانے کو بچاتی ہوئی

"بہت عمدہ تھا پروگرام ۔۔۔"میں اور تمہاری بھابھی پورا وقت ٹی وی کے سامنے جمے رہے۔"بھائی فون پر تھے۔اسے خوشی ہوئی تھی ساری دنیا کی ستائش ایک طرف اور خونی رشتوں سے ملنے والی طاقت ایک طرف ہوا کرتی ہے۔

"بہت مبارک ہو۔۔بابا جی زندہ ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔"بھابھی فون پر کہہ رہی تھیں۔وہ کھڑکی پر آ کھڑی ہوئی بالکل سامنے آگرہ کے آسمان پر پورن ماشی کا چاند چمکتا تھا۔اس کا شو آج تاج محل میں تھا۔

"تھک گئی ہو گی تین گھنٹے کا لائیو شو تھا پتا نہیں کیسے کر لیتی ہو۔۔اب سو جاؤ۔"بھابھی نے اس پر چھائی خاموشی کو محسوس کیا تھا۔

"تھکن میں نیند کہاں آتی ہے۔"اس نے گھڑی کی طرف دیکھا صبح کے ساڑھے تین ہو رہے تھے۔

"کندن۔۔۔ایک بات پوچھوں۔۔۔"

"جی پوچھیے۔۔۔"

"کیا کبھی کوئی اچھا نہیں لگا۔۔۔کسی سے لگاؤ محسوس نہیں ہوا۔"وہ ہنس پڑی تھی۔وہاں وہ پانچ ستارے چمک رہے تھے۔وہ بھابھی کو کیا بتاتی کیسے بتاتی کہ وہ شرک نہیں کر سکتی۔

"میرا مذہب زمینی ہے مٹی سے بندھا ہوا،حواس کا مذہب تمہارا مذہب آسمانی ہے۔روحداریاں سکھاتا ہے۔اب کیا کیا جا سکتا ہے اس کے سوا کہ تم زمین کو محبت سے دیکھو اور میں آسمان کو دیکھوں گی۔میں نے وید پڑھے ہیں ہمارے ہاں بھی خدا ایک ہی ہے اتنا تو رشتہ سانجھا ہے ہمارا۔"اور وہ جانتی تھی

انہیں کھڑکیوں سے راتوں کو جھانکتے ان پانچ ستاروں کو تکتے اس کے بالوں میں چاندی اترنا تھی۔

کہتے ہیں چار پانچ سو سال پہلے سورت میں ایک عورت تھی۔اس وقت جب پرتگالی سورت میں انگریزوں کے خلاف احتجاج کرتے تھے کہ وہاں برطانیہ سے آیا پہلا بحری بیڑہ لنگر انداز ہوا تھا اور وہ سب جھگڑوں سے بے نیاز بال کھولے ننگے پاؤں پھرتی تھی۔کوئی کھانے کو کچھ دے دیتا تو کھا لیتی ورنہ یونہی۔

جب وہاں اودی رنگ اور کپڑوں کے بننے کی فیکٹریاں لگ رہی تھیں اور ہاتھی کے دانت، موتی، سونے اور چاندی سے فرنیچر کی آرائش کی جاتی تھی،وہاں ساحلوں پر تاجر مرجان، ہیرے، روبی ،پکھراج اور زربفت لیکر اترتے تھے تو جب وہ ساز چھیڑتی تھی تو جس شجر کے نیچے بیٹھتی وہاں آسمان پر اڑتے پرندے نیچے اتر آتے۔۔۔آکر اس درخت کی شاخوں پر بیٹھ جاتے، بھینس، بکریاں گائے اور تو اور کیڑے مکوڑے بھی اس کے قریب آ جاتے۔کہتے ہیں اس کے راگوں میں یہ سحر فراق نے بھرا تھا۔"وہ نم آنکھوں سے ایوارڈ کو تکتی تھی اسے بچپن میں ماں کی سنائی کہانی یاد آئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شد

اس قسط پر اپنی رائے کامنٹ باکس میں دیں